ن م راشد کی نظم نگاری: معاشی استحصال کے تناظر میں

ڈاکٹر نذر محمد عابد☆
Dr. Nazar Muhammad Abid
ڈاکٹر محمد الطاف☆☆
Dr. Muhammad Altaf

Abstract:

"Poet is a sensitive person of the society .The events and the changes occuring in the society at social,political and economical levels have direct postive and negtive impact upon him. He tries to depict such events in his poetry. Noon Meem Rashid could not over look the down-trodden poor segment of the society which has been financially exploited. Rashid's poetry represents the poor economic situation of financially deprived class of the society. His poetry mainly illustrates the ecnomically opressd and exploited people while portraying their emotions and feelings. In this article such aspects of his poetry have been explored and analysed by the authors ."

کلیدی الفاظ:

معاشی استحصال، کثرت و قلت، محکوم، کسمپرسی، سادہ لوح، جدوجہد، اقتصادی زبوں حالی

ہر انسان پیدا ہوتے ہی ضروریات اور خواہشات کا سامنا کرتا ہے جو آخری دم تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ قدیم زمانے میں یہ ضرورتیں سادہ اور خواہشات محدود تھیں۔ لیکن انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی نے ان ضرورتوں اور خواہشات کو وسعت عطا کر دی ہے اس لیے انسان کے اندر بنیادی ضروریات سے نپٹ کر آرام و آسائش کی تمنا بیدار ہوتی ہے۔ اس تمنا کی تکمیل کے لیے انسان مختلف ذرائع سے دولت کماتا ہے۔ انسان کی اس جدوجہد کا تعلق معاشیات سے ہے۔ چنانچہ پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب "کتابِ معاشیات" میں لکھتے ہیں:

> " انسان کی خواہشات بے شمار ہیں لیکن انھیں پورا کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع تھوڑے ہیں۔ لہٰذا اسے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ اپنی کثیر خواہشات کو قلیل ذرائع سے کس طرح پورا کرے۔ چنانچہ اسے خواہشات میں کفایت کرنی پڑتی ہے۔ انسانی طرزِ عمل کے اس پہلو کے مطالعے کا نام معاشیات ہے۔"(۱)

مختلف زمانوں میں ماہرین معاشیات نے اس کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ کلاسیکی ماہرین کے مطابق معاشیات دولت کا علم ہے۔ ان ماہرین کے پیش رو سر آدم سمتھ تصور کیے جاتے ہیں۔ سر آدم سمتھ (۱۷۲۳ تا ۱۷۹۰) اپنی کتاب Wealth of Nations میں معاشیات کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "An enquiry into the Nature and causes of wealth of Nation."(2)

جدید ماہرینِ معاشیات کے مطابق معاشیات کا مسئلہ خواہشات کی کثرت اور ذرائع کی قلت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر رابرٹ معاشیات کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> "Economics is a science that studies human behavior as a relationship ends and rare means with alter native uses."(3)

حاجات کی کثرت اور وسائل کی قلت کے باعث ہی دنیا کی بیشتر آبادی کئی مسائل سے دوچار ہے۔ غربت، جہالت، ناخواندگی، بیماری، قحط، بے روزگاری، مہنگائی اور افراطِ زر ایسے مسائل ہیں۔ جن کے پس منظر میں معاشیات ہی کارفرما ہوتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر منظور علی شیخ اپنی کتاب اصول معاشیات میں لکھتے ہیں:

> ”عہد حاضر میں نوع انسانی کو بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ غربت، بھوک، بیماری، گرانی، بیروزگاری، پست معیارِ زندگی، غیر مساوی تقسیمِ دولت۔ دنیا کا ایک بڑا حصہ ان مسائل کا شکار ہے دراصل یہی مسائل معاشی مسائل ہیں۔“(۴)

ادیب معاشرے کا ایک حساس فرد ہوتا ہے۔ سماج میں رونما ہونے والے حادثات و واقعات، معاشرتی رویوں کی تبدیلی، معاشی اور اقتصادی صورتحال کے منفی اور مثبت اثرات کی تاریخ کو مورخ کے ساتھ ساتھ ایک ادیب بھی اپنے انداز سے مرتب کرتا ہے۔ اس کی مرتب کردہ تاریخ میں قوم کے داخلی اور خارجی احساسات و جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

> ”عصری آگہی کا سب سے بڑا ذریعہ ادب ہے۔ وہ خواہ نثر میں ہو یا شعر میں اصل بات یہ ہے کہ لفظ ایک نسل کے تجربے کو دوسری نسل کے تجربے میں منتقل کرنے کا اہل بنتا ہے۔“(۵)

چنانچہ ایک ادیب شعوری اور لاشعوری ہر طرح سے اپنے دور کے حالات قلم بند کرتا چلا جاتا ہے۔ معاشی استحصال کے تناظر میں اُردو نظم کا جائزہ لیا جائے تو اس صنف سُخن میں برصغیر کی عہد بہ عہد بدلتی ہوئی معاشی صورتحال عکس پزیر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ جدید اردو نظم کا ایک معتبر نام ن م راشد ہیں۔

ن م راشد جس عہد میں ذہنی اور فکری پختگی کی منازل طے کر رہے تھے وہ دور نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا کے لیے اقتصادی زبوں حالی اور سیاسی ہلچل کا دور تھا۔ ہندوستان جیسے زرعی ملک میں سامراجی لوٹ کھسوٹ، سیاسی ادبار اور معاشی استحصال نے مہیب صورت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے راشؔد بھی اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اپنی نظموں میں زندگی کے ان تاریک پہلوؤں کی عکاسی کرتے رہے جن میں سے ایک معاشی استحصال بھی ہے۔

راشؔد کی نظموں میں سماجی حقائق اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ داخلی کیفیت میں ضم ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ راشد غم جاناں سے بتدریج غم دوراں کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا تخلیقی ذہن شاعری کے مروجہ سانچوں کو قبول کرنے کے بجائے طرز احساس، ہیئت اور تکنیک کے نئے تجربے کرتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سُنبل نگار راشدؔ کی اس خوبی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتی ہیں:

> ”راشد کی نظموں میں پیچیدگی اور ابہام ہوتا تھا۔ راشد کی نظموں نے قارئین کو چونکایا۔ اس میں افسانوی اور ڈرامائی انداز گُھل مل گئے۔“(۶)

راشد کی شاعری میں اساطیری اور دیومالائی علائم و تلمیحات کی موجودگی انہیں نامانوس فضا میں لے جاتی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات راشؔد کی فکری جہتیں بہت پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ معاشرے اور افراد کے دکھ کو اپنا دکھ تصور کرتے ہوئے اُسے شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ سانیٹ کی ہیئت میں لکھی گئی ان کی نظم ”انسان“ پر ترقی پسند فکر کی چھاپ ہے۔ اس نظم میں وہ انسانی دکھوں سے اس قدر نالاں دکھائی دیتے ہیں کہ اہرمن اور یزداں کو بھی ہدفِ تنقید بنالیتے ہیں۔ نظم ”انسان“ کچھ اس طرح ہے:

الٰہی! تیری دنیا جس میں ہم انسان رہتے ہیں
غریبوں، جاہلوں، مُردوں کی، بیماروں کی دنیا ہے
یہ دنیا بے کسوں اور لاچاروں کی دنیا ہے

ہم اپنی بے بسی پہ رات دن حیران رہتے ہیں!
ہماری زندگی اک داستاں ہے ناتوانی کی
بنالی اے خدا! اپنے لیے تقدیر بھی تو نے
اور انسانوں سے لے لی جراتِ تدبیر بھی تو نے(۷)

نظم کے اس حصے کے بعد شاعر خدا سے بھی گلہ کرتا ہے کہ انسانوں کی اکثریت کسی ردِ عمل کے بغیر خدا کی تقدیر پر خاموشی سے زندگی بسر کرتی ہے۔ شاعر کے روز و شب اسی فکر اور سوچ میں گزرتے ہیں اور اُسے اس خیال سے وحشت ہونے لگتی ہے کہ انسان خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ یہی بے بسی ایک انسان کی ذلت کا اصل سبب ہے۔ انسان کی تکالیف کی اصل وجہ یہی ہے اب یہ دردِ لا دوا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اور پھر شاعر کی وحشت اُس سے یہ کہلواتی ہے۔

کسی سے دور یہ اندوہِ پنہاں ہو نہیں سکتا
خدا سے بھی علاج دردِ انساں ہو نہیں سکتا(۸)

ن م راشدؔ جب غربت کی چکی میں پستے ہوئے انسانوں کو دیکھتے ہیں تو جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور بے بسی کی آخری حدیں دیکھ کر خدا کی ذات سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔

''اجنبی عورت'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں باغیانہ اور انقلابی سوچ کا اظہار ہے اور معاشی تفاوت کو دیوارِ ظلم اور دیوارِ رنگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ راشد اس دیوار رنگین کو گرا دینے کی تمنا کرتے ہیں:

کاش اک ''دیوار رنگ''
میرے ان کے درمیاں حائل نہ ہو!
یہ سیاہ پیکر برہنہ راہ رو
یہ گھروں میں خوبصورت عورتوں کا زہر خند
یہ گزر گاہوں پہ دیو آسا جواں
جن کی آنکھوں میں گرسنہ آرزوؤں کی لپک
مشتعل بے باک مزدوروں کا سیلابِ عظیم!
اے ارضِ مشرق(۹)

نظم ''زنجیر'' میں راشدؔ کا یہ رجحان مزید نکھر کر سامنے آیا ہے اور معاشی طور پر غلام و محکوم قوم کو بیداری کا پیغام دیتے ہوئے ان میں قندیل احساس جلانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں ''پنبۂ ریشم'' کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اپنی شبانہ روز محنت سے فرنگی عورتوں کے لیے ریشم و کمخواب اور سیم و زر کے تار بنانے والے بے نام انسانوں کے لیے اب وقت آگیا ہے کہ ان کے مردوں کو جکڑنے کے لیے سنگین جال بنایا جائے۔

اپنے مزاج کے خلاف نظم ''سومنات'' میں راشدؔ بہت سادہ اور عام فہم انداز میں سیاسی اور معاشرتی رویوں کی بدصورتی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس نظم میں اجنبی حکمرانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اپنی حکمرانی کا خواب دیکھتے ہوئے ہندو، مایوس مسلمان، حصولِ دولت کے لیے جاں بلب مہاجن دراصل اک نئے سومنات کی تعمیر کا خواب دیکھتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یہ جلوس بڑے طمطراق اور جوش و خروش کے ساتھ ہندوستان کی گلیوں، سڑکوں اور شاہراہوں سے گزر رہا ہے۔ جبکہ ایک عام دہقان اور عام مزدور اس تماشے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ ان کی معاشی حالت کسی دور میں بہتر نہ ہو سکی اس لیے وہ خاموش تماشائی بنے کھڑے ہیں۔

ستم رسیدہ نحیف دہقاں
بھی اس تماشے کو تک رہا ہے
اُسے خبر بھی نہیں کہ آقا بدل رہا ہے
وہ اس تماشے کو
طفلِ کم سن کی حیرتِ تابناک سے محض دیکھتا ہے!
جلوس وحشی کی آز سے
سب کو اپنی جانب بلا رہا ہے(۱۰)

ن م راشدؔ جب عام فرد کو موت سے بدتر زندگی بسر کرتے دیکھتے ہیں تو بعض اوقات وہ انسان کے مستقبل سے بالکل مایوس دکھائی دینے لگتے ہیں۔ وہ بندۂ زر، مفلس، بے یقین اور منفی انسانوں کو دائرہ انسانیت سے بے دخل کر دیتے ہیں اور بہتری کی امید یا کرن جو ابتدائی نظموں میں دکھائی دیتی ہے آخری دور کی نظموں کی مٹیالی اور تاریک فضا میں گم ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ بندگانِ زمانہ اور بندگانِ زر کو بے دریغ موت کی آغوش میں سُلا دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ لالچ اور ہوس نے

ان کے اندر سے انسانیت کی آخری رمق بھی ختم کر دی ہے ان افراد کے ساتھ تونگروں کا گروہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ راشدؔ ان لوگوں کا "تعارف" اجل سے اس طرح کرواتے ہیں:

”اجل ان سے مت کر حجاب
اجل ان سے مل!
بڑھو تم بھی آگے بڑھو۔
اجل سے ملو،
بڑھو تونگر گداؤ
نہ کشکول دریوزہ گر دی چھپاؤ
تمھیں زندگی سے کوئی ربط باقی نہیں
اجل سے ہنسو اور اجل کو ہنساؤ!
بڑھو بندگانِ زمانہ، بڑھو بندگانِ درم
اجل، یہ سب انسان منفی ہیں
ہو ان پر نگاہ کرم![۱۱]

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ راشدؔ کی شاعری میں موجود گہرائی اور پیچیدگی کے پیشِ نظر قاری کو اس کے معانی و مفاہیم سمجھنے کے لیے عام سطح سے بلند ہونا پڑتا ہے۔ لیکن معاشی استحصال کے تناظر میں جب راشدؔ کی شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے ہاں معاشی استحصال کی عکاسی بھی ملتی ہے اور اقتصادی زبوں حالی کی تصویر کشی بھی، سامراجی قوتیں بھی بے پردہ ہوتی دکھائی دیتی ہیں اور بغاوت کی آگ بھی بھڑک رہی ہے۔ راشد اسی آگ کو روشن مستقبل کا استعارہ قرار دیتے ہیں۔ اپنی نظموں میں انھوں نے ایسے ہی استعاراتی رنگوں میں معاشرے کے محروم طبقات کے معاشی استحصال کو اپنی تمام تر روشن بصیرتوں کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر منظور علی شیخ، کتابِ معاشیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۳

2. Dr. S. M. Akhter, Modren Economics, United Publishers, Lahore, 1983,P:73

3. Robbins, Nature and Significance of Economics Science, Mc Gram-Hill Publications, 1985, P:272

۴۔ پروفیسر منظور علی شیخ، کتابِ معاشیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۳۷

۶۔ ڈاکٹر سلیم اختر، افسانہ اور افسانہ نگار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۳۱

۶۔ ڈاکٹر سُنبل نگار، اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، دار النوادر، ۲۰۱۳ء، ص ۲۵۶

۷۔ ن۔م۔راشد، کلیاتِ راشد، ماورا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۹۶

۸۔ ایضاً، ص ۹۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۴